ساقیٔ کوثر

منظوم اردو ترجمۂ قصیدہ بردہ از سجاد حسین ساجد

ایک مطالعہ

توقیر احمد ملک

قصیدہ بردہ شریف امام شرف الدین بوصیریؒ کی تصنیفِ لطیف ہے۔عربی ادب میں اسے کلاسیک کا درجہ حاصل ہے۔گزشتہ سات آٹھ صدیوں سے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِسے حرزِ جاں بنا کر تسکینِ ایماں کا ساماں فراہم کرتے رہے ہیں۔ادبی وعرفانی لطافتوں نیز بارگاہِ رسالت میں شرفِ قبولیت کی بدولت اِسے بہت شہرت ملی۔فیوض و برکات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اِس کی تشریحات اور منظوم و منثور تراجم کا سلسلہ متعدد زبانوں میں ابھی تک جاری ہے۔سجاد حسین ساجد کا یہ منظوم اردو ترجمہ اسی سلسلے کی حسین کڑی ہے۔اردو زبان میں کئی ایک معیاری ترجمے موجود ہیں تاہم یہ ترجمہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے انفرادیت کا حامل ہے۔اس حوالے سے اِس قصیدے کے تراجم کی خوب صورت روایت میں یہ قابل قدر اضافہ ہے۔

قصید بردہ شریف کا تمام تر حسن و جمال صاحبِ تصنیف کے پاکیزہ احساس اور عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں مضمر ہے۔کسی دوسری زبان میں اس کی حلاوت اور اثر انگیزی کا وہ معیار قائم نہیں رہ سکتا جو اصل زبان میں ہے۔عربی دنیا کی کامل ترین زبان ہے۔ادبی اعتبار سے اس کا حرف حرف بلکہ حرکات تک گنجینۂ معنی کا درجہ رکھتے ہیں۔ہر چیز اور اُس کی جملہ انواع، ہر حالت اور

اُس کے ممکنہ اوضاع اور ہر عمل اور اُس کی ہر کیفیت کے لیے جُدا جُدا لفظ دست بستہ نظر آتے ہیں۔ مذکر اور مؤنث کے لیے جدا ضمیریں اور افعال ہیں؛ اسم فعل اور حرف ہر ایک کے ساتھ ضمیر لاحق ہو سکتی ہے؛ لفظوں کی منضبط قواعد کی روشنی میں اشتقاقی صلابت؛ تبادلہ حروف؛ عکس وقلب کی صلاحیت؛ حروف کی تعداد بڑھانے سے معانی کا زیادہ ہونا؛ ایک ہی لفظ کا متضاد معانی فراہم کرنا؛ محض حرکت سے استفہام کا کام لینا اور منضبط نحوی قاعدوں سے معانی کے مختلف ابعاد روشن کرنا وغیرہ عربی زبان کی جامعیت، وسعت اور کاملیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ معجزہ کلام اِسی زبان کو زیبا ہے۔ قصیدے کے ایک سو باسٹھ اشعار کے لیے طبعیت کے بہاؤ سے میمیہ قوافی فراہم کرنا عربی زبان کا معمولی کمال ہے۔ یہ رمزِ فصاحت اور یہی اعجازِ بلاغت ہے جو بہ تمام وکمال زبانِ عربی کا خاصہ اور عربی ادب کا حصہ ہے۔ دیگر زبانوں میں معانی تک رسائی کی کوششوں کی وجہ سے قصیدہ بردہ شریف کے مختلف تراجم اور شروح میں معنوی پہلو داری دکھائی دیتی ہے۔

عربی شاعری اپنے مزاج کے اعتبار سے بھی منفرد ہے۔ یہ جذبے کے بطن سے پھوٹتی ہے۔ جذبے کی صداقت اور شدّت عربی شاعری کی بنیادی خصوصیت ہے۔ فصاحت و بلاغت کا جوہر فطری طور پر زبان میں موجود ہے، اس لیے عرب شاعر جو حالت پیش آتی ہے یا جو خیالات پیدا ہوتے ہیں اُن کو اُسی اصلیت اور جوش وخروش کے ساتھ ادا کر دیتے ہیں۔ الفاظ کے پس پردہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے سارے کا سارا شعری حسن اسی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ مولوی حمید الدین نے اپنے مضمون "فن بلاغت" میں لکھا ہے: "عجم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان تشبیہ اور بدیع ہیں۔ اس لئے علمائے اسلام نے بھی انھی چیزوں کو مہتم بالشان قرار دیا ہے، حالانکہ اہلِ عرب کے نزدیک بدیع ایک لغو چیز ہے اور تشبیہ چنداں قابل اعتنا نہیں"۔ عربی اور عجمی تخلیقات کے باہمی تراجم کے درمیان اختلافِ مزاج کی یہ دیوار بھی کھڑی ہوتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں: "سب سے پہلا شخص جس نے بادشاہ کی مدح لکھی وہ زہیر بن ابی سلمیٰ تھا، جس نے ہرم بن سنان کی مداحی کی تاہم اُس نے یہ آن قائم رکھی کہ ہرم نے جب یہ حکم دیا کہ زہیر جس وقت دربار میں آئے اور مجھے سلام کرے، تو اس کو انعام دیا جائے۔ اس حکم کے بعد زہیر جب کبھی دربار میں جاتا تھا تو کہہ دیا کرتا تھا کہ بادشاہ کے سوا اور سب کو سلام کرتا ہوں۔" (مقالاتِ شبلی، جلد دوم؛ ص ۳۹)

یہ عربی قصیدے کا مزاج تھا اور عرب شاعری کا خاصا۔ مگر جب یہ روایت عجم خصوصاً ایران میں پہنچی تو یکسر بدل گئی۔ محکومانہ طرزِ زندگی نے لہجے کی وہ شان باقی نہ رہنے دی جو عربوں کے ساتھ مخصوص تھی اور نہ ہی واقعاتی صداقت سرمایۂ افتخار ٹھہرا۔ مظاہرِ فطرت کی نیرنگی نے بادشاہت کی قصیدہ خوانی کے لیے تشبیہ و استعارے کے وہ سامان فراہم کیے۔ جس سے تفاوتِ قدر کی تفریق موہوم ہوتی چلی گئی۔ بیان کی سحر کاری نے واقعیت، جذبے کی صداقت اور شدّت کی جگہ لے لی۔ یہی روایت فارسی کے توسط سے اردو میں آئی۔ اردو بہت حد تک عربی زبان سے مستفید ہے مگر مزاجاً اس میں دوری پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کو زبانوں کے ایک گروہ "ہند آریائی زبانیں" جب کہ عربی کو دوسرے گروہ "سامی زبانیں" میں رکھا جاتا ہے۔ زبانوں کی یہ گروہ بندی اِن کے داخلی مزاج کے اختلاف کی بنا پر کی گئی ہے۔ اس تفاوت کو باہمی تراجم کے ذیل میں پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

ترجمہ بنیادی طور کسی دوسری زبان کے خیالات اور تصورات کو سمجھنے اور سمجھانے کی صنف ہے، حظ اندوزی اس کا ثانوی مقصد ہے۔ متاثر کن تصنیف فکری، جذبی، کیفی، لغوی اور معنوی لطافتوں سے مرکب ہوتی ہے جن سے بہ یک وقت بہت سی پہلو دار جمالیاتی کرنیں پھوٹ رہی ہوتی ہیں۔ ان تمام کا احاطہ کسی بھی ترجمے میں ممکن نہیں، انحراف کسی نہ کسی سطح پر ضرور پایا جائے گا۔ یہی تصنیف اور ترجمے کا بنیادی فرق ہے۔ ترجمہ ہشت پہلو نگینے کی تصویر کشی کے مترادف ہے۔ امکان کی حد تک حسنِ بیان کے پردے میں ملفوف معانی یابی کو ترجمے کی خوبی خیال کیا جاتا ہے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہوتا ہے جب مترجم متن کی زبان، متن کے صنفی مزاج، اور ترجمے کی زبان و اصناف پر مکمل عبور رکھتا ہو۔ بصورتِ دیگر تراجم پر انحصار کرنے کی صورت میں ترجمہ متن سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ترجمے کے باب میں مختلف صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ لغوی تراجم، معنوی یا بامحاورہ تراجم اور بازگوئی (RETOLD)۔ پیش خدمت قصیدہ کا منظوم اردو ترجمہ ان تینوں صورتوں کا حسین امتزاج ہے۔

سجاد حسین ساجد کا یہ منظوم ترجمہ اپنے اندر تخلیقی شان رکھتا ہے۔ انھوں کے خیالات کے پاکیزہ و مطّہر جھروکوں سے اُسی احساسِ قلب ونظر کو گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے جو قصیدہ بردہ شریف کی جان ہے۔ یوں ترجمے کی یہ نئی صورت اُن کی تخلیقی ضرورت کا ثمر ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری "اعلیٰ

درجہ کی شاعری الفاظ سے نہیں بلکہ درونِ خانہ ہنگاموں یعنی شدید جذباتی تلاطم اور تموج سے وجود میں آتی ہے۔ بات یہ ہے کہ شاعری ایک طرح کا شعوری عمل ہو کر بھی سراسر شعوری عمل نہیں ہے۔ شعر کہے نہیں جاتے، بنائے نہیں جاتے۔ شعر کے لیے الفاظ جوڑے نہیں جاتے، قافیے تلاش نہیں کیے جاتے، استعارات وکنایات اور تراکیب ومحاورات، دانستہ طور پر تراشے نہیں جاتے بلکہ شعرا اپنے پورے وجود کے ساتھ خود بخود ذہن شاعر پر نازل ہوتا ہے۔" (عملی تنقید، ص ۶۸) اس حوالے سے ترجمے کا جائزہ لیا جائے گا تو بیشتر مقامات پر تخلیقیت کا احساس ہوگا۔

ساجد فکری جولانیوں کا فطری شاعر ہے۔ اُس کے حیطۂ ادراک میں آنے والے تصورات اُس کی جذبی کیفیات سے مل کر لفظوں کی متحرک تصویریں بن جاتے ہیں۔ ایجاز اختصار اس کے کلام کا بنیادی وصف ہے جس کے لیے خوب صورت تراکیب اُس کے فکرِ رسا کے سامنے دست بستہ کھڑی معلوم ہوتی ہیں۔ اُس کے شعر جذبے کی شدّت سے معمور اور احساس کی گہرائی سے مخمور ہوتے ہیں۔ کلاسیکی شاعری کے وسیع مطالعے کے باوجود وہ اپنی دنیا کا تنہا شاعر ہے جس کی آواز اُسے باقی شعرا سے منفرد بھی کرتی ہے اور مختلف بھی۔ اُس کے لہجے میں ایک شعری شناخت موجود ہے۔ اِن سب امور کے ہوتے ہوئے وہ ترجمے کے اول الذکر دو وسیلوں پر قانع نہیں رہ سکتا تھا۔ اس کے لیے اُنھیں امام بوصیریؒ کی آواز کو اپنی شخصیت کے ساز کے ساتھ پیش کرنا تھا اور وہ اس میں کافی حد تک کامیابی سے ہمکنار دکھائی دیتا ہے۔ یہ طرز قصیدے کے منظوم اردو تراجم کی روایت میں اِسے منفرد شناخت عطا کرتی ہے۔ ترجمہ بہت سی قیود عائد کرتا ہے جو سلامت روی کے راستے میں حائل ہوتی ہیں۔ شعری تراجم میں تو مشکل بہت بڑھ جاتی ہے اور تلوار کی دھار پر چلنے والی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ساجد اس مشکل تخلیقی سفر میں عشقِ مصطفی ﷺ سے سرمست حدی خواں کی طرح بے پرواہ خرام، منزلِ عشق کی طرف رواں دواں دکھائی دیتا ہے۔

اس ترجمے کے فکروفنی محاسن ومعائب پر تو اہلِ فن ہی گفتگو کریں گے۔ مطالعے کے دوران میں جس خوبی نے اس کا خوب صورت نقش دل پر بٹھایا ہے وہ اس کی سادگی، پرکاری اور روانی ہے۔ بحر اور قوافی کا انتخاب شاعر کی پختہ کاری اور شاعرانہ ہوشمندی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ منظوم تراجم کے لیے یہ

کامیابی کا پہلا زینہ ہوتا ہے؛ بصورتِ دیگر قافیے خیالات کو پابہ زنجیر کر لیتے ہیں۔ اس ترجمے میں خیالات ایک منظوم دھارے میں روانی کے ساتھ بہتے ہوئے نظر آئیں گے کہیں رکاوٹ کا احساس نہیں ہوتا۔ ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ شعر کی نثر کرنا چاہیں تو وہ نہ ہو سکے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کلام کے اجزا فعل، فاعل، مفعول، مبتدا، خبر وغیرہ کو اُسی ترتیب سے برتا جائے جیسے وہ عام استعمال میں آتے ہیں۔ ساجد کے اس منظوم ترجمے کے بہت سے اشعار میں یہ خوبی پائی جاتی ہے۔ ترجمے کی قید کے ساتھ یہ بڑی خوبی کی بات ہے۔ پہلے دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

حمد اُس مالک کی، جو ہے خالق ہر دوسَرا
پھر درود اُس پر کہ جو ہے باعثِ ارض وسما
میرے مولا! افضل مخلوق ہے تیرا حبیب
بھیج اس پر اپنی رحمت دائمی ہر دم صدا

یہاں یہ بات واضح کرتا چلوں کہ قصیدہ بردہ شریف کے قدیمی نسخوں میں یہ اشعار اس مقام پر موجود نہیں ہیں اور نہ ہی اُن نسخوں میں تبویب کا اہتمام ملتا ہے۔ اشعار کی تعداد بھی یکساں نہیں ہے جو ایک سو ساٹھ سے چونسٹھ کے درمیان ہے اور متن میں بھی اختلافات ہیں۔ یہ تمام امور اس مبارک قصیدے کے تحقیقی اڈیشن کا تقاضا کرتے ہیں۔

اس ترجمے میں خلوص نے سادگی، سلاست و روانی کو وقار بخشا ہے اور جذبے کی صداقت نے اِسے پرتاثیر بنا دیا ہے۔ فنی پختگی نے شعروں کو جملوں کی سی سادگی اور روانی عطا کی ہے۔ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ان اشعار میں دل میں اترنے والی خوبی پائی جاتی ہے۔ خیال کی نازکی اور بلیغ اندازِ بیاں جا بجا دکھائی دیتا ہے۔ فصلِ ثالث مدحِ نبی میں تو اشعار جذبات کی شدت سے دو آتشہ ہو گئے ہیں؛ ان میں نغمگی کا احساس ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر چشمِ تصور سے میدانِ عمل میں زیارت رسول ﷺ سے مشرف ہو کر یقین کی دولت سے مالا مال ہو رہا ہے۔ ترجمے میں معنوی انحراف اور معانی میں کمی کا در آنا قابل تعجب نہیں عموماً ایسا ہوتا ہے۔ عربی کے مقابل اردو میں ایسا اکثر ہوتا ہے۔ بالواسطہ استفادے سے اس کا تناسب بڑھ جاتا ہے۔ تاہم اس ترجمے میں بہت کم مقامات ایسے ہیں جن پہ معانی سے انحراف دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً قصیدے کا مصرعہ ہے: مَزَجتَ دَمعاً جَرَیٰ من مُقلَتہٖ بِدَمٖ

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

تیری آنکھوں کا لہو اشکوں پہ حاوی ہو گیا

حیدر آباد دکن سے محمد فیاض الدین نظامی نے بہت خوب صورت منظوم اردو ترجمہ کیا تھا۔ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ بھی عربی متن کی طرح میمیہ قوافی کا حامل ہے۔ یہ غالباً نقوش کے رسول نمبر میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں اسے ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور نے چند مفید اضافوں کے ساتھ ۲۰۰۵ء میں شائع کیا۔ ان مفید اضافوں میں عربی متن، مولانا جامیؒ کا منظوم فارسی ترجمہ، ملا علی قاریؒ کی فارسی شرح ''الزبدہ'' کا اردو ترجمہ از مولانا محمد افضل منیر اور محمد فیاض الدین نظامی صاحب کا منظوم اردو ترجمہ شامل ہے۔ ترتیب میں عربی متن، مولانا جامی کا منظوم فارسی ترجمہ، نظامی صاحب کا منظوم ترجمہ اور پھر منیر صاحب کا اردو ترجمہ و تشریح ہے۔ میرے پیش نظر یہ نسخہ ہے۔ اس میں نظامی صاحب نے مذکورہ بالا مصرعے کا ترجمہ یوں کیا ہے:

خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دمبدم

مولانا جامیؒ نے فارسی ترجمہ یوں کیا ہے:

اشکِ چشم آمیختی با خوں رواں گشتہ بہم

مزاج دو اشیا کے ملاپ سے بننے والی تیسری شے کا نام ہے۔ یہاں جاری آنسوؤں کی آنکھ کے اندرونی حصے کے خون سے ملاپ سے پیدا ہونے والی کیفیت کا بیان مقصود ہے۔ اس کے لیے اردو میں محاورہ ہے ''خون کے آنسو رونا'' نظامی صاحب نے محاورے کو کام میں لاتے ہوئے معنی یابی کی ہے جبکہ ساجد کے مصرے میں مبالغے سے کیفیت بدل سی گئی ہے۔ سیف نے شاید ایسے ہی موقعے کے لیے کہا تھا:

سیف! اندازِ بیاں بات بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

اقبال کے ایک شعر میں اس کیفیت کے لیے دل چسپ ترکیب سامنے آئی ہے:

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اُس رونے میں

جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

قصیدے کا چوتھا شعر ہے:

اَیحسَبُ الصَّبُ اَنَّ الحُبَّ مُنکَتِم

مَا بینَ منسجم منہُ و مضطرِم

ساجد نے ترجمہ یوں کیا ہے:

چشمِ نم اور قلبِ مضطر سے عیاں ہے رازِ عشق

وہمِ عاشق ہے کہ دنیا سے چھپا رہ جائے گا

شعر کی لطافت استفہام تعجب یا انکاری میں پوشیدہ ہے۔ترجمے میں وہ کیفیت نہیں آپائی بلکہ شعر مذکورہ بالا صفات کی روشنی میں بیانیہ بن کر رہ گیا ہے۔نظامی صاحب نے یوں ترجمہ کیا: ہے عبث تیرا گماں چھپتا نہیں ہے رازِ عشق ایحسب کے لیے دو لفظ سامنے آتے ہیں: وہم اور گمان۔وہم میں اثبات کا شائبہ زیادہ ہے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی علاج نہیں، جبکہ گمان میں نفی کا امکان زیادہ ہے اور اس میں اقرار یا انکار کی دونوں صورتوں کے برابر امکانات موجود ہوتے ہیں۔ آگے چل کر ان دو عادل گواہوں کی گواہی عشق کو ثابت کر دیتی ہے جسے عاشق جھٹلا نہیں سکتا۔بہر صورت عربی متن میں حمزہ کے استفہام کا کوئی بدل نہیں۔اس لیے اِسے نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ویسے بھی جہاں محاسن کی کثرت ہوتی ہے وہاں معمولی فروگزشتوں کا در آنا فطری سی بات ہے۔ان سے صرف نِظر نہ کرنا فن اور فن کار دونوں کے ساتھ زیادتی ہے۔چھٹے شعر میں ساجد نے استفہام کو اتنی متانت اور سلیقے سے شعر میں سمویا ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے:

چشمِ نم اور اضطرابِ دل ہیں دو عادل گواہ

کس طرح پھر عشق سے انکار ممکن ہے بھلا

مجموعی طور پر قصیدہ بردہ شریف کا یہ منظوم اردو ترجمہ سوز وگداز کے ا ثر سے بھرپور ہے۔مجھے یقین ہے کہ صاحبانِ دل اس کے حسن سے مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔بارگاہِ رسالت سے ساجد کی ذہنی وابستگی نے جو حسن کشید کیا ہے وہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔اس کامیاب اور مبارک

کوشش پر ساجد بے انتہا شکریے کے مستحق ہیں۔

چند باتیں قصیدہ بردہ شریف کی انفرادیت اور برکات سے متعلق کہنا باقی ہیں۔ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جس تصنیف کو بارگاہِ رسالت مآب سے شرفِ قبولیت عطا ہوا ہے وہ کن موضوعات و محاسن پر مبنی ہے اور اُس کا مدعا کیا ہے۔

قصیدہ گوئی کی روایت میں یہ قصیدہ کئی حوالوں سے منفرد ہے۔ سب سے پہلے غور کرنا چاہیے کہ ممدوح کون ہے اور حسنِ طلب کیا ہے؟ قصیدے کی وجہِ تصنیف کی بابت امام شرف الدین بوصیری ؒ ہی کی روایت ہے کہ بڑھاپے میں فالج کا حملہ ہوا۔ کسی طور افاقہ نہ ہونے کی صورت میں خیال آیا کہ مدحِ رسول ﷺ کے توسط سے بارگاہِ الٰہی میں صحت کے لیے دعا کروں......اس روایت کی روشنی میں قصیدے کا شعر نمبر ۱۸۵ اس موضوع سے تعلق رکھتا ہے اور اِس سے پہلے اور بعد میں معجزاتِ رسول ﷺ کا بیان جاری ہے۔ شعر مذکورہ یہ ہے:

كَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهٗ

وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِّبْقَةِ اللَّمَمِ

ترجمہ: ’’کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے بیماری سے بری کیا، شفا دی۔ اور حاجت مندوں کو گناہوں اور جنوں کے فتنوں کے بندھن سے خلاصی دی‘‘

ساجدؔ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

کتنے حاجت مندان کے در سے بہرہ ور ہوئے

کتنے بیماروں کو چھو کر ہی عطا کر دی شفا

شعر کے دونوں مصرے غور طلب ہیں۔ پہلے مصرے میں تلمیح کے پردے میں طلب ہے۔ مولانا محمد افضل منیر نے تشریح میں ایک روایت بیان کی ہے ’’حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ ایک لڑکا آپ کے سامنے لایا گیا جس کو جنون تھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سینہ پر پھیرا۔ اس کے پیٹ سے کالے کتے کے بچے کی مانند کوئی شے نکلی۔ حضور نے اس کو اپنے ہاتھ مبارک سے کاٹ دیا اور اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا۔‘‘ (ص ۱۷۴) گویا پہلے مصرے میں وصفِ معجزہ کا ہی بیان

ہے جو معجزات کے سلسلے کا ہی حصہ ہے۔شاعر اُسوۂ حسنہ کے نظارے نظر میں بسائے چشمِ تصور سے اُس دیکھے بھالے معجزے کی ایک بار پھر تمنّا کر رہا ہے۔ بارگاہِ رسالت میں طلب کا یہ انداز ملاحظہ کیجیے۔ شاعر کے دل پر اُن کی عطاوں کا نقش اتنا مستحکم ہے کہ طلب بے زباں ہو کر رہ گئی ہے۔احتیاط اور سلیقہ ایسا کہ کیا کہیے۔ یہ انداز ایسے ہی عشّاق کے ساتھ مخصوص ہے۔دوسرے مصرے میں طلب بھی دیکھنے لائق ہے۔حاجت مندوں نے آپ ﷺ کی تعلیمات کے طفیل گناہوں کے طوق سے رہائی پائی۔قرآنی آیت کی طرف ذہن مبذول ہوتا ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی مصیبت انسان کو نہیں پہنچتی مگر وہ اُس کے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔گویا مرض کو جڑ، اصل سے ختم کرنے کی استدعا پائی جاتی ہے۔گناہوں سے خلاصی پانا درحقیقت مصائب سے بچنے اور مامون رہنے کا نسخہ ہے جو ساری انسانیت کے لیے حضور نبی کریم ﷺ کی عطائے عام ہے۔طلب کی نوعیت پر غور کیجیے۔وہ پشیمانی جو شاعر قصیدے کے شروع میں عمرِ رفتہ کی کتاب سے نقل کرتا ہے یعنی گناہوں کی کثرت پر ندامت سے خون کے آنسو اور نیکیوں کی کمی پر تاسف کی آہیں؛ اُس کا تریاق طلب کرتا ہے اور وہ صرف اور صرف حضور کے دستِ عطا میں پاتا ہے۔شعر نمبر ۹۰ بھی اس حوالے سے غور طلب ہے۔ساجدؔ یوں ترجمہ کرتے ہیں:

آپ کے خُلق و خصائل کی ثناء بے حد ہے، گر
آس بھی ہے آپ کے مدّاح کی ہے بے انتہا

اس شعر کا تعلق فصلِ سادس فضیلتِ قرآن سے ہے۔اس فصل میں شاعر نے فضیلتِ قرآن کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔آس سے طلبِ قرآن کی بے انتہا برکتوں طرف ذہن مبذول ہوتا ہے۔شعر ۸۵ میں اسوۂ رسول ﷺ کی طلب ہے یہاں قرآن کی طلب ہے۔وہاں معجزاتِ رسول کا بیان تھا، یہاں معجزاتِ قرآن کا ذکر مذکور ہے۔گویا طلب مآخذ ہدایت ہے۔حسنِ عمل کی طلب ہے، جو اس قصیدے کی روح معلوم ہوتی ہے۔ یہ وہ شے ہے جو نعتیہ ادب کا مقصود و منتہیٰ ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس ترجمے کی بدولت دیکھنا چاہیے کہ نعتیہ ادب کے لیے موضوعات کے آفاق میں کتنی وسعت ہے۔ بحرِ بسیط میں یہ قصیدہ موضوعات کے نئے نئے دریچے بھی وا کرتا ہے۔اس کے مطالعے کے بعد لمحہ بھر کے لیے سوچیے گا کہ اس مقبول نعت کے موضوعات آج کی نعت گوئی سے کتنے اور کس قدر مختلف ہیں۔

اس قصیدے کے اشعار میں بے پایاں وسعت کا احساس ہوگا۔خیر!! قصیدے کی عمومی روایت میں طلب اس سے بہت مختلف اور بہت کم ہوتی ہے۔امام شرف الدین بوصیریؒ اس راز سے واقف ہیں کہ کس سے کیا مانگنا ہے، کیسے مانگنا ہے؟ جیسے قصیدے کی روایت چلی آرہی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ سوز وگداز وعشق کے سانچے میں ڈھل کے آوالی کیفیت ہے۔قصیدے کا مزاج بلند آہنگ اور زبان پر شکوہ ہوتی ہے۔لیکن بردہ شریف میں آپ ایک نئی دنیا سے گزرتے ہیں جس کی زبان میں درد ہے،لوچ ہے، نرمی ہے، گداز ہے، سوز ہے، حرارت ہے...... عشق کی حرارت سے الفاظ پگھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔قصیدے کی پوری فضا سوزِ عشق سے معمور ہے۔ابتدا میں سلگنے کی کیفیت ہے، شاعر دشمنانِ اسلام کے بجائے اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے، آنسو بہاتا ہے؛ اس سے طہارت اور پاکیزگی کا وہ احساس کشید کرتا ہے جو اُسے دیار وامصارِ رسول ﷺ کو تصور میں لانے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔اُن کا خیال رقت آمیز اور بیان وجد آفرین کیفیت طاری کر دیتا ہے۔فراق عالم خیال میں سوز وساز کی نئی دنیا بساتا ہے جو کثافتوں کی آلائشوں سے پاک ہے۔نفس لوامہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے ان سارے تلازمات کے خیال سے نادم ہوتا دکھائی دیتا ہے، نفسِ امارہ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے حق نہ جانا باوجود اس کے کہ تیرے سامنے حق روشن تھا۔اس کے بعد شاعر گریز کرتے ہوئے محامدِ رسول کے بیان کی طرف بڑھتا ہے۔ساجد نے گریز کے شعر کو کتنے پر درد لہجے میں پیش کیا ہے ملاحظہ کیجیے:

جس کے قدموں پر عبادت سے ورم ظاہر ہوا
الاماں! میں اُس کی سنت سے سدا غافل رہا

گریز کے بعد ساجد کے شعروں میں جذبات کی شدت عروج پر دکھائی دیتی ہے۔یہاں شاعر کا اعجازِ بیان کھل کر سامنے آتا ہے۔پہلے اس ترجمے کا بنیادی وصف بیان کیا جا چکا ہے کہ سادگی و سلاست ہے۔یہاں بھی شدّتِ جذبات کو اتنے بلیغ پیرائے میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں کہ سبحان اللہ۔سراپا عشقِ مصطفی ﷺ میں ڈوبے ہوئے ہونے کی کیفیت ہے۔راقم کے نزدیک یہی اشعار اُن کی جانکاہی کا صلہ ہو سکتے ہیں جو عطا معلوم ہوتے ہیں۔

ذکرِ عشق

تیری آنکھوں کا لہو اشکوں پہ حاوی ہو گیا
ذی سلم کے ہمدموں کی یاد تڑپاتی ہے کیا؟
برق چمکی ہے کوئی کیا بر سرِ کوہ اضم
یا چلی ہے کاظمہ کی سمت سے کوئی ہوا
کیا ہوا آنکھوں کو تیری، کیوں ہیں یہ پیہم رواں
دل پہ کیا بیتی کہ غم ہوتا نہیں اس سے جدا
دیدۂ نم، قلب مضطر، عشق کے غماز ہیں
وہمِ عاشق ہے کہ دنیا سے چھپا رہ جائے گا
عشق ویرانوں میں رکھتا ہے تجھے محوِ فغاں
تجھ کو تڑپاتے ہیں نخل بان اور جبل حرا
چشم نم اور اضطرابِ دل ہیں دو عادل گواہ
کس طرح پھر عشق سے انکار ممکن ہے بھلا
ہیں خطوطِ اشک و نقش لاغری عارض پہ یوں
جس طرح اک زرد گلشن دوسرا گلگوں قبا
عشق کے آلام کھا جاتے ہیں کیفِ زندگی
شب کو یادِ یار دے جاتی ہے پیہم رت جگا

اے ملامت کرنے والو! عذر میرا ہو قبول
عشق میں مثل بنو عذرا اگر ہوں مبتلا

چھپ نہیں سکتا عیاں ہے دیدۂ غماز سے
ٹھیک ہونے کا نہیں، ہے عشق مرضِ لا دوا

عشق میں یہ کارِ تلقین و نصیحت ہے عبث
گو مجھے تسلیم ہے تیری نصیحت ناصحا!

میں نے بڑھاپے کی بھی مانی نہیں اس باب میں
جبکہ اس سن میں نہیں تلقین پر تہمت روا

خواہشات نفسانی سے روکنا

گو نصیحت تو بہت کی پیر ناصح نے مجھے
مجھ پہ غالب ہی رہا یہ نفس امارہ مرا
میں نے کار خیر سے اس کی پذیرائی نہ کی
گھر میں آئے مہرباں کو منفعل میں نے کیا
اپنے بالوں کی سفیدی ہی چھپا لیتا میں حیف!
اس کی بے قدری کروں گا میں اگر یہ جانتا
اشہب دل دم بہ دم آمادہ طغیان ہے
چارہ گر کوئی تو اس حیوان کا چارہ بتا
نفس کی ترغیب ہوتی ہے فزوں عصیان سے
جیسے کھانے سے بڑھے اہل ہوس کی اشتہا
نفس ایسے ہے کہ جیسے ہو کوئی طفل صغیر
پل میں خوش ہے اور اگلے پل میں ہو جائے خفا
چھوڑ دو گر دودھ پینے پر شکم سیری نہیں
اور چھڑوا دو تو ہو جائے گا دو دن میں جدا
نفس کو روکو اگر مغلوب اس سے ہو گئے
ہاتھ آئے گا نہ کچھ عیب و ہلاکت کے سوا

نفس امارہ کی نگرانی کرو افعال میں
روک دو اس فعل سے جس پر کہ وہ مائل ہوا
پیش کرتا ہے بصد زینت تمہیں ایسا طعام
جس میں ہوتی ہے کبھی آمیزش زہر جفا
بھوک کی آفت بھی سیری کے ضرر سے کم نہیں
اس لیے تو گرسنگی کے مکر سے بھی خوف کھا
موڑ توبہ کی طرف تواب دلِ مذنب کی باگ
جو فواحش سے ہے پر اس آنکھ سے آنسو بہا
وہ نصیحت بھی کریں تو اس کو اک دھوکہ سمجھ
نفس اور شیطان دشمن ہیں نہ سن ان کا کہا
وہ مخالف ہوں کہ منصف پیروی ان کی نہ کر
جانتا ہے تو کہ اُن کا کام ہے مکرو دغا
بانجھ عورت کی طرف اولاد کی نسبت غلط
جس پہ خود عامل نہ ہوں اس بات سے بخشے خدا
امر بالمروف تجھ کو اور خود طاعت سے دور
سب ہے بے صرفہ، کسی صورت نہیں مجھ کو روا
جز فرائض میرے دامن میں نہیں کوئی عمل
مستحب اعمال سے میں عمر بھر غافل رہا

مدحِ نبی

جس کے قدموں پر عبادت سے ورم ظاہر ہوا
الاماں: میں اس کی سنت سے رہا غافل سدا
بھوک کی شدت سے باندھا بارہا جس نے شکم
جس نے اپنے نازنین پہلو کو پتھر سے کسا
اس کو رستے سے ہٹا پائی نہ طمعِ مال و زر
کوہِ زر بھی پائے استحقار سے ٹھکرا دیا
صرصرِ حرص و ہوا گو سر پٹختی ہی رہی
اُن کی عصمت کا دیا ہر حال میں روشن رہا
کس طرح ان کو لُبھا سکتی یہ دنیائے دنی
جنکے صدقے میں ہوئے ہیں خلق یہ ارض وسما
وہ محمد مصطفیٰ وہ پیشوائے عالمیں
سیّد و سردار جن و انس، فخرِ دوسرا
رب نے سونپا ہے انہیں امر و نہی کا اختیار
چشمِ دنیا نے نہیں دیکھا ہے سچا آپؐ سا
آپ سے کرتا ہے اُمید شفاعت ہر کوئی
ناگہانی آفتوں سے آپ کرتے ہیں رہا
آپ کے دامن سے وابستہ ہے جو، محفوظ ہے
آپ نے سب کو بلایا جانبِ ربِ عُلا
آپ کے تلمیذ ہیں علم و کرم میں سب رسول
صورت و سیرت پہ محوِ رشک سارے انبیاء

موجِ دریائے کرم یا قطرہ بارانِ لطف
ملتمس ہیں انبیاء پیشِ عطائے بے بہا

آپ کی خدمت میں حاضر ہیں نبی سب باادب
علم و حکمت سے کریں تا کہ انھیں آپ آشنا

معنیٰ و صورت میں ہیں جلوہ گرحدِ کمال
آپ کو خالق نے عالم میں حبیب اپنا چنا

خوبیوں میں آپ کا ہمسر نہیں کوئی کہیں
الغرض بے منقسم ہے جوہرِ حسن آپ کا

ابنِ مریم کے لیے جو کچھ نصاریٰ نے کہا
ماسوا اس کے انھیں زیبا ہے ہر مدح و ثنا

ان کی ہستی سے جو تو چاہے شرف منسوب کر
دوش پر ان کے ہے زیبا عظمتوں کی ہر ردا

بولنے والا کوئی اس کو بیاں کیسے کرے
بے کراں ان کی فضیلت ہے، شرف بے انتہا

معجزے ہوتے اگر شایاں ان کی شان کے
ہڈیاں بھی اٹھ کہ کرتیں ورد ان کے نام کا

ہم رہے وہم و گماں سے دور، اس ذی جود نے
فہم عاجز ہوں، نہ ایسی آزمائش میں رکھا

عہدِ نزد و دور وا ماندہ ہیں ان کے سامنے
آپ کی رفعت نے کل عالم کو عاجز کر دیا

جیسے سورج دور سے چھوٹا دکھائی دے مگر
اس کو دیکھو گے تو چھن جائے گی آنکھوں کی ضیا

درک کر سکتے ہیں ان کی منزلت بیدار دِل
قلبِ غافل کو نہیں معلوم اُن کا مرتبہ

آپ عرش و فرش کی ہر شئے سے افضل ہیں مگر
‘‘وہ بشر ہیں’’ یہ ہمارے علم کی ہے انتہا

انبیائے ماسلف لائے ہیں جو بھی معجزہ
نورِ ختم الانبیا کے فیض سے ان کو ملا

آپ خورشیدِ شرف ہیں انبیا اس کے نجوم
جو شبِ تاریک میں دیتے ہیں رستوں کا پتا

جب وہ مہرِ ضوفشاں ابھر تو ظلمت مٹ گئی
نور کی کرنوں سے ہر امت کو زندہ کر دیا

لب پہ ہے نورِ تبسم، جسم پہ پوشاکِ حسن
سیرت و صورت میں ہیں سرکار یکساں دل ربا

ماہِ کامل ہیں شرف میں، تازگی میں پھول ہیں
عزم و ہمت میں زمانہ، بحر در جود و سخا

وہ چلیں تو ساتھ چلتے ہیں سدا جاہ و حشم
منفرد ہیں وہ بزرگی میں، جلالت میں جدا

اس کا معدن ہیں زبان و قلب اور لب ہائے پاک
ہے سخن ان کا صدف میں ایک لعل بے بہا

جس نے چوما اور سونگھا ہے اسے، خوش بخت ہے
ان کے خاکِ پا کی خوشبو مشک و عنبر سے سوا

فصل رابع

مولدالنبی

مَولِد ومدفن سے پھوٹی آپ کے پیکر کی باس
کتنے پاکیزہ ہیں وہ از ابتدا تا انتہا

جب اچانک اہل فارس کو یہ اندازہ ہوا
ان پہ چھا جانے کو ہے اب موسمِ قہر و بلا

مل نہ پائے پھر کبھی، وہ منتشر ایسے ہوئے
دیکھتے ہی دیکھتے ایوان کسریٰ ڈھے گیا

بھول بیٹھی اپنا منبع شرم سے نہر فرات
دفعتاً شعلہ فشاں آتش کدہ بجھنے لگا

اہل ساوہ نہر کی خشکی سے ڈوبے حزن میں
جب وہاں سے تشنہ لب بے مدعا واپس ہوا

گویا غم سے آگ کو ٹھنڈے پسینے آ گئے
اور پانی ہو گیا افسوس سے شعلہ نُما

جنّ منادی کر رہے تھے روشنی تھی شش جہت
صدق تھا چاروں طرف پوری طرح جلوہ نُما

دیکھ سکتے تھے نہ سن سکتے تھے اہلِ کفر، گو
گونجتی تھی مژدہ و تنبیہ کی پیہم ندا
کاہنوں نے گرچہ ان کو کر دیا تھا باخبر
دین ان کا ہونے والا ہے بہت جلدی فنا
باوجود اس کے کہ کعبہ کے بتوں کی مثل وہ
دیکھتے تھے خود شہابوں کا فلک سے ٹوٹنا
بھاگتے تھے پے بہ پے شیطاں قطار اندر قطار
ہوگیا تھا بے خطر وحیِ خدا کا راستا
دوڑتے تھے اس طرح جیسے سپاہ ابرہہ
یا وہ لشکر سنگ ریزوں کا تھا جس کو سامنا
سنگ ریزے دستِ پیغمبر میں یوں تھے محوِ حمد
جیسے یونس بطنِ ماہی میں تھے مصروفِ ثنا

معجزات النبی

ان کی جانب سرنگوں ہو کر سبھی بے پا چلے
حضرتِ والا نے جب اشجار کو دی تھی صدا
گامزن تھا ہر شجر سطریں بناتا ان کی سمت
اور شاخیں سطر کو کرتی تھیں رعنائی عطا
سایہ افگن کوئی شے رہتی تھی مانند سحاب
سخت گرمی میں جہاں جاتے محمد مصطفیٰ
ٹوٹ کر جس نے انھیں چاہا قسم اس چاند کی
اس کا محور ہے حقیقت میں وجود مصطفیٰ
حمد اس ستار کی جس نے بہ فیضِ لطف و خیر
غار میں دشمن کی نظروں سے انھیں مخفی رکھا
غار میں وہ صادق و صدیق تھے بے حزن و غم
کہہ رہے تھے جب عدو کوئی نہیں ہے اس جگہ
آشیانہ اور جالا دیکھ کر کہتے تھے وہ
آپ بھی ہوں اور یہ بھی کیسے ممکن ہے بھلا
وہ ہیں دنیا کے ہر اک جوشن و سپر سے بے نیاز
دشمنوں کے مکر سے ان کا نگہباں ہے خدا

اہلِ دنیا نے ستایا جب کبھی از راہِ ظلم
ان کے در پر آ گئے تو مٹ گیا خوفِ جفا

جس سے بڑھ کر اور کوئی بھی نہیں ہے بوسہ گہ
میں نے اس دستِ سخا سے جو بھی مانگا مل گیا

خواب کو بھی ان کے تو پیغامِ ربّانی سمجھ
نیند میں بھی جاگتا رہتا ہے قلبِ مصطفیٰ

وہ زماں تھا آپ کے عہدِ نبوت کا شباب
خواب اس عالم کا ہو سکتا نہیں بس خواب سا

کسب ہو سکتی نہیں وحی خدائے ذوالمنن
اور نہ ہے پیغمبروں پر کذب کی تہمت روا

آپ کے اعجاز روشن ہیں، نہیں مخفی کوئی
عدل قائم نہیں ہو سکتا کہیں ان کے سوا

کتنے حاجت مندان کے در سے بہرہ ور ہوئے
کتنے بیماروں کو چھو کر ہی عطا کر دی شفا

بن گیا جھومر جبینِ عصر کا پھر تو وہ سال
کر گئی شاداب سالِ خشک کو ان کی دعا

جا بجا سیلاب تھا بارش تھی طوفانِ عرم
اس طرح برسی دعا سے جھوم کر کالی گھٹا

فصل سادس

فضیلت قرآن

برسر کہسار شب کو آگ کی صورت عیاں
معجزے ہیں ان کے، وہ ہیں لائق مدح وثنا
نظم میں گر ہو تو اس کی قدر بڑھ جاتی ہے اور
نظم سے باہر بھی ہو گوہر تو پھر بھی بے بہا
آپ کے خلق وخصائل کی ثنا بے حد ہے، گر
آس بھی ہے آپ کے مداح کی بے انتہا
حق ہے قرآنِ مکرّم ہے اگر حادث بھی تو
اس کو حاصل ہے قِدَم کہ ہے کلامِ کبریا
ہے کلام پاک میں ہر اک زمانے کی خبر
محشر وعاد وارم کا اس سے چلتا ہے پتا
انبیائے ماسبق کے معجزے تھے عارضی
یہ دوامی ہے سو رفعت میں ہر اک سے ہے سوا
فیصلوں میں اس کو ثالث کی نہیں حاجت کوئی
قولِ فیصل ہے ہر اک تشکیک سے ہے ماورا
ہو گیا دشمن سپر انداز اس کے سامنے
اس کے دشمن اور اس کے بیچ جب بھی رن پڑا

جیسے فاسق کو حرم سے روک دے مردِ غیور
یوں کلامِ حق نے دعوائے عدو ٹھکرا دیا

آیتوں میں ہیں معانی موجِ دریا کی طرح
حسن میں ارزش میں بھی یہ موتیوں سے ہیں سوا

باوجود افراط کے ممکن نہیں ان کی خرید
اس کے نکتے ہیں ہر اک حد سے فزوں حیرت فزا

جو اسے پڑھ کر ہوا فرحاں، اسے میں نے کہا
تو ہے منصور و مظفر تھام رکھ حبلِ خدا

تو کرے اس کی تلاوت خوفِ دوزخ سے اگر
دے خنک پانی سے اپنے، نار کے شعلے بجھا

حوضِ کوثر کی طرح ہیں، گویا اس کی آیتیں
بخشتی ہیں چہرۂ عاصی کو رنگت اور ضیا

عدل میں ہیں آیتیں یہ مثلِ میزان و صراط
عدل قائم کر نہیں سکتا کوئی ان کے سوا

منکرِ قرآں ہے گر حاسد، نہیں حیرت کی بات
باوجود اس کے کہ ہے وہ حاملِ فہم و ذکا

آبِ شیریں سے نہیں لذت کسی بیمار کو
ناگوارِ چشمِ پر آشوب سورج کی ضیا

فصل سابع

ذکر معراج

جس طرف بڑھتے ہیں اہلِ عشق باصد اشتیاق

ان کے گھروں میں سب سے افضل ہے ترا دولت سرا

اے کہ تو اہلِ یقیں کے واسطے محکم دلیل

اے کہ تو اربابِ دانش کے لیے فیضِ خدا

جیسے چلتا ہے اندھیری رات میں ماہِ منیر

تو شب اسریٰ حرم سے تا حرم ایسے چلا

دم بہ دم بڑھتا رہا تو منزلِ قوسین تک

جز تیرے حاصل ہوا کس کو یہ اوج و ارتقا

جس طرح خادم کبھی بڑھتے نہیں مخدوم سے

یوں بنا یا انبیا نے ان کو اپنا مقتدا

پے بہ پے کرتا گیا طے رفعتِ ہفت آسماں

وہ گروہِ شہسواراں آپ جن کے رہنما

آپ سے آگے وہاں اب قرب کی منزل نہ تھی

آپ کے قدموں تلے تھی رفعتوں کی انتہا

آپ کی منزل سے نیچے تھا ہر اک اعلیٰ مقام
"اے کمالِ منفرد" جب غیب سے آئی ندا
وصل وہ حاصل ہوا جو ماورائے فہم ہے
راز جو مخفی ہے سب سے آپ پر اس شب کھلا
جو بھی شئے تھی فخر کے قابل ملی بس آپ کو
ہر مقامِ ذی شرافت آپ کے قدموں میں تھا
بے نہایت مرتبے حاصل ہوئے ہیں آپ کو
جو ملی نعمت وہ ہے عقل و خرد سے ماورا
اے مسلمانانِ عالم ہو بشارت آپ کو
گر نہیں سکتا ملا ہے تم کو جو رکن ھدیٰ
کس طرح دنیا کہے ہم کو نہ پھر خیر الامم
جب نبی ہیں سید عالم ، امام الانبیاء

فصل ثامن

ذکر جہاد

بکریاں جیسے لرزتی ہیں بہ آوازِ اسد
دشمنوں کو آپ کی بعثت نے یوں لرزاں کیا
برسرِ پیکار دشمن سے رہے آپ اس قدر
جس نے للکارا وہ لحم تختۂ قصاب تھا
جب مجاہد ہاتھ رکھتے قبضۂ شمشیر پر
بھاگنے میں عافیت ہر ایک ظالم جانتا
بن گئیں جو طعمۂ زاغ و زغن میدان میں
اپنے مُرداروں کی لاشوں پر بھی ان کو رشک تھا
شب پہ شب گزری مگر دشمن کو اندازہ نہ تھا
ماہِ حرمت میں فقط شب ہائے مہلت کے سوا
دینِ حق ان کا ہوا مہمان ان شیروں کے ساتھ
جن کی من بھاتی غذا بس کافروں کا ماس تھا
ان کا لشکر تھا کہ گویا ایک سیل موج زن
اپنی موجوں کی سنانوں سے کریں محشر بپا

ان کے ہاتھوں میں تھی تیغِ ظلمت وطغیاں شکن

ان کا مقصد کچھ نہ تھا، جز طاعت وقربِ خدا

ان کی کوشش رنگ لائی اور سب یک جا ہوئے

بے وطن پھرتے مسلمانوں کو امت کر دیا

اب ابد تک بے سہارا ہو نہ پائے گی کبھی

ملتِ اسلام کو وہ بے بدل سایا ملا

لشکرِ اسلام کا ہر فرد تھا کوہِ گراں

پوچھ دشمن سے کہ کیا تھے وہ بہ ہنگامِ وغا

یا اُحُد سے اور حنین و بَدْر سے ہی لے خبر

جو عدو کے واسطے تھا موسمِ قہر و بلا

کھینچتے تھے ظلمتِ فرقِ عدو پہ کر کے وار

ضوفشاں تیغوں کو دے کر خون سے رنگِ حنا

لکھنے والے کلک نیزہ کی سنہری نوک سے

جس سے قرطاسِ بدن کوئی نہ بے نقطہ رہا

لیس ہتھیاروں سے تھے وہ اور سب سے منفرد

جیسے گُل خارِ مغیلاں سے ہے ممتاز و جدا

وہ زرہ پہنے ہوئے، جیسے شگوفوں میں گلاب

ان کی خوشبو کا سندیسہ لے کے آتی تھی ہوا

پشتِ اشہب پر جمے، ٹیلے پہ کائی کی طرح

شہ سواری کی مہارت کا سماں دیکھو ذرا

بزدلوں اور شیر مردوں میں نہ کرتے امتیاز
دشمنوں کی ان کے ڈر سے اس طرح اکھڑی ہوا
نصرت پیغمبر اسلام حاصل ہو جسے
سہم جائے شیر بھی اس سے اگر ہو سامنا
جو بھی اپنا تھا، ملی اس کو حمایت ہر قدم
غیر تھا جو بھی چکھا اس نے ہزیمت کا مزا
سوئے مامن جس طرح کنبے کو لاتا ہے اسد
آپ نے سب کو کیا یوں حرزِ مستحکم عطا
ہر دفعہ قرآں کی منطق سے عدو عاجز ہوئے
آپ کا اعجاز دشمن پر سدا غالب ہوا
علم دورِ جاہلیت میں، یتیمی میں ادب
ان کی عظمت کے لیے کافی نہیں یہ معجزہ؟

فصل تاسع

توسل

لغوگوئی پر، خوشامد پر، ہر اک عصیان پر
میں ہوں مدحت کے توسط طالب غفوِ خدا
صورتِ حیوانِ قربانی ہوں پابند رسن
شعر و خدمت نے مجھے قیدی بنا کے رکھ دیا
میں مثالِ طفیل ناداں ہی رہا ان کے سبب
جز گناہوں اور ندامت کے نہ کچھ حاصل ہوا
نفس نے دنیا کے بدلے دیں کی خواہش ہی نہ کی
حیف! اس کو اپنے سودے میں خسارا ہی ملا
نقد ہو یا پیشگی سودا، فقط نقصان ہے
جس نے عقبیٰ کے عوض اس دارِ فانی کو چنا
میری امیدوں کی ڈوری ٹوٹنے والی نہیں
لاکھ میں عاصی ہوں لیکن امتی ہوں آپکا
نام میرا بھی محمد ہے رکھیں گے آپ لاج
لاج رکھنے میں نہیں دنیا میں کوئی آپ سا

آپ نے تھاما نہ میرا ہاتھ گر از روئے فضل
پھر بجا ہے گر کہے مخلوق مجھ کو سبز پا
کیسے ممکن ہے کہ ہو محروم سائل آپ کا
اور بے توقیر ہو زیرِ اماں آیا ہوا
اب نجاتِ اخروی کا مجھ کو اندیشہ نہیں
جب سے حرزِ جاں بنائی ہے تری مدح وثنا
بارشوں سے برسرِ کہسار بھی کھلتے ہیں پھول
دستِ خاک آلود بھی ہوتا ہے سرشارِ عطا
میں نہیں کرتا ہوں توصیفِ ہرم مثلِ زہیر[۱]
نعت کے بدلے زرِ دنیا نہیں ہے مدّعا

---

۱ زہیر بن ابی سلمی عرب کے مشہور شاعر تھے اور انہوں نے عامری قبیلہ کے سردار سنان ابن ہرم کی مدح میں ایک طویل قصیدہ لکھا تھا۔ جس پر ہرم نے انہیں انعام واکرام سے نوازا تھا۔

مناجات وعرضِ حاجات

سختیوں میں جس کے لطف وجود کا لوں آسرا
کون ہے اے اکرمِ ہر دوسرا تیرے سوا

کیسے ممکن ہے کہ میں بخشا نہ جاؤں روزِ حشر
ذی کرم ہو منتقم کے ساتھ جب جلوہ نما

علم کا اک باب ہیں لوح وقلم کے سب علوم
نعمتِ دنیا و عقبیٰ آپ کا جزوِ عطا

اے مرے دل تو بڑی لغزش پہ مت مایوس ہو
بخشے جانے میں برابر ہیں بڑی چھوٹی خطا

حسب عصیاں رحمتیں ہونگی ہے یہ میرا یقین
جب کرے گا رحمتیں تقسیم ربِ مصطفیٰ

جو گماں ہے تیری رحمت سے نہ اس کو قطع کر
تجھ سے جو امید ہے اس کو نہ رد کر اے خدا

بندۂ بے صبر ہوں مشکل کو سہہ سکتا نہیں
اے خدا دونوں جہاں میں ہو ترا لطف وعطا

حکم فرما ابر ہائے رحمتِ جاوید کو
مصطفیٰ پر وہ برستے ہی رہیں صبح ومسا

اونٹ کو نغموں سے بہلائے حدی خواں جب تلک

جب تلک شاخ شجر رقصاں رکھے بادِ صبا
ہو کرم صدیق و فاروق و غنی کی ذات پر
اور علی مرتضیٰ کو ہو عطا تیری رضا
رحمتیں ہوں تابعین و آل پر اصحاب پر
جو بھی ہیں پرہیز گار و برد بار و باصفا
اے خدا نخل تمنا کو عطا کر برگ و بار
نخل عصیاں پر خزاں آئے بحق مصطفیٰ
بخش دے شاعر کو اور جو اس قصیدہ کو پڑھے
مانگتا ہں خیر بس اے صاحب جود و سخا
عافیت میری سب اولاد کو ماں باپ کو
وہ عرب ہو یا عجم کر ہر مسلماں کا بھلا
میرے مولا افضلِ مخلوق ہے تیرا حبیب
بھیج ان پر اپنی رحمت دائمی ہر دم سدا

===